OPEN ACCESS
MA‘ARIF-E-ISLAMI (AOIU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

اسلامی ریاست میں رائے عامہ کی حیثیت اور حدود

Public Opinion and its Position and Limitation in an Islamic State

ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

چیئرمین شعبہ سیرت سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

حافظ سعید الرحمٰن

پی ایچ ڈی سکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

Public opinion has immense importance in the modern era, it even plays important role in the making and unmaking of governments and legislation. Public opinion means the opinion of masses on a particular national or regional issue on which arguments can be made. Public opinion is also important in an Islamic state. The Quran and Hadith contain many instances on this subject, yet there are certain limitations on public opinion in an Islamic State. According to Islamic point of view, there are two kinds of injunctions; one that can be changed as per requirement of time and other that remain constant. The injunctions pertaining to constant or permanent issues do not care about the public opinion, such as worships cannot be changed on the basis of public opinion. The changeable injunctions contain some specific and some public issues. Suggestions and opinions of only experts are welcomed in specific issues, while public opinion is worthwhile in public issues. What is the position of public opinion in changing the government and constitutional changes? What is the importance and limitations of public opinion? This issue must be addressed in the light of paradigm set up by the Islamic State of Madinah. The current paper intends to address these questions

.آج جبکہ جمہوری ممالک میں تبدیلی کا سرچشمہ رائے عامہ سے منسلک ہو چکا ہے اور عوام کی کثرت رائے سے حکومتوں کی تبدیلی اور قانون سازی جیسے اہم معاملات رو پذیر ہو رہے ہیں، اس موضوع پر سوچ و فکر کرنا اور اس سے متعلقہ امور پر اظہار خیال کرنا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

رائے عامہ سے مراد کسی قومی یا علاقائی قضیہ پر عوام الناس کی وہ رائے ہے جس پر مناقشہ کیا جا سکتا ہو۔ ارشاد باری تعالی ﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾[۱] (کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے)) سے بھی رائے عامہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے ۔اس آیت قرآنی کے پس منظر کا وہ واقعہ نہایت اہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ کے بارے میں لوگوں کے کلمات خیر سنے تو فرمایا کہ اس پر جنت واجب ہو گئی۔ پھر ایک جنازہ لایا گیا اور اس کی بھی کچھ خوبی بیان کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے آسمانوں میں اللہ کے گواہ ہیں اور تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو اور جس چیز کی تم گواہی دو گے وہ واجب ہو جائے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔[۲] گویا

عوام الناس کی رائے کا اعتبار اللہ کے ہاں بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے (مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ، وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ قَبِيحٌ)''[۳] جس چیز کو مومنین اچھا سمجھتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

سیرت رسول ﷺ سے رائے عامہ کی معاشرتی اور قانونی اہمیت کے متعلق بہت سے نظائر ملتے ہیں جو اس موضوع کے مختلف جوانب پر غور وفکر کے لیے راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ایک جانب تعمیر کعبہ میں حطیم کو باہر چھوڑنے، دو کے بجائے ایک باب رکھنے، غزوات میں لوگوں کی رائے پر فیصلہ کرنے کے نظائر ملتے ہیں تو بہت سے مواقع پر آپ ﷺ کے عوامی رائے کے خلاف بھی فیصلے صادر فرمانے کی نظائر بھی ملتے ہیں۔ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ مبدل اور غیر مبدل احکام میں عوامی رائے کی حیثیت مختلف ہے۔

۱۔ مبدل

جو قوانین مبدل ہیں وہاں قرآن پاک نے اصول وضوابط پر ارتکاز کیا ہے تفصیلی قوانین بیان نہیں کیے۔ مثلا اسلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ انتظام مملکت چلانے کے لیے خلافت، بادشاہت، جمہوریت یا کوئی اور طریقہ کار ہوگا کہ جس کی مکمل تفاصیل فراہم کی گئی ہوں۔البتہ اس معاملے میں اسلام یہ چاہتا ہے کہ جو بھی سسٹم ہو اس میں اس قانون سازی یا نظام کی بناوٹ میں عدل ومساوات وغیرہ کا نفاذ کیا جائے اور عوامی مصالح کا خیال رکھا جائے۔

۲۔ غیر مبدل

جو قوانین غیر مبدل ہیں وہاں قرآن نے قوانین کی تفصیل مہیا کردی ہے۔ مثلا قصاص ودیت، طہارت، عبادات اور عائلی قوانین وغیرہ۔

اس اصول اور بنیادی بحث کے نتیجے کے طور پر نبوی معاشرے سے چند اشارات پیش خدمت ہیں جن سے اس موضوع پر مزید بحث وتمحیص کی راہیں متعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

غیر مبدل / تفصیلی احکام اور عوامی رائے

شریعت کے غیر مبدل احکام میں عوامی رائے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اگر عوام کسی غیر شرعی قانون پر متفقہ رائے دیں تو بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں، مثلاً:

۱. نبوی معاشرہ میں اس کی ایک اہم مثال متبنی کی مطلقہ یا بیوہ سے شادی نہ کرنے کا متفقہ رواج تھا۔ عرب لوگ متبنی کی مطلقہ سے شادی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ متبنی کو سگے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے[۴]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی تھے، کی مطلقہ زینب بنت جحش سے شادی کی۔ اس شادی پر عربوں کے ساتھ ساتھ متعدد صحابہ کو بھی اشکال ہوا۔ یہاں تک کہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کہتے تھے کہ بیٹے کی بیوی باپ کے لیے حلال نہیں اور آپ نے خود اپنے بیٹے زید کی بیوی سے شادی کی ہے"[۵]۔ عوامی رائے کے برخلاف آپ ﷺ نے اسے جائز قرار دے دیا اور اپنے عمل کے ذریعہ اس کو معاشرے میں رائج کردیا۔

﴿فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾[۶] (پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے لے پالک بیویوں کے بارے میں کسی طرح تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا ہے)۔

۲. اہل عرب عورتوں اور بچوں کو میراث میں سے کچھ نہیں دیتے تھے۔ ان کے ہاں میراث کا حق دار وہی ہوتا تھا جو مال غنیمت لاتا اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر لڑائی لڑتا[۷]۔ آپ ﷺ نے عرب کی اس روایت کے برخلاف قانون دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے[۸]۔

۳. عرب میں دو بہنوں کو نکاح میں اکھٹا رکھنے کا رواج عام تھا۔ سعید بن عاص، ثقیف بن منبہ اور ہنام بن سلمہ نے بیک وقت دو دو بہنوں سے نکاح کر رکھا تھا[۹]۔ آپ ﷺ نے اس رسم کا بھی قلع قمع کیا اور خدائی قانون نافذ فرمایا[۱۰]۔

۴. عرب اپنے والد کی بیویوں سے نکاح کرتے تھے اور ان کا سب سے برا کام تھا مگر ان کے ہاں یہ کوئی برائی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ جو اپنے والد کی بیوی سے نکاح کرتا اسے ضیزن کہتے تھے۔ جب کوئی فوت ہوتا تو اس کا بڑا بیٹا اس کی بیوی سے نکاح کا وارث ٹھہرتا تھا، اگر اس کو ضرورت نہ ہوتی تو اس کا کوئی بھائی نئے مہر کے ساتھ والد کی منکوحہ سے نکاح کرتا تھا[۱۱]۔ آپ علیہ السلام نے عرب کی روایت کے برخلاف قانون دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا﴾[۱۲] (اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا ہے یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے)۔

۵. بعض عربوں کی روایات میں سے ایک روایت یہ تھی کہ اپنی لونڈیوں سے گناہ کروا کر پیسہ کماتے تھے[۱۳]۔ آپ ﷺ نے اس فعل سے شدت کے ساتھ منع کر دیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے {وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[۱۴] (تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو)۔

۶. عرب جاہلیت میں طلاق کے بعد عدت گزرے بغیر عورت سے نکاح کرنے کو جائز سمجھا جاتا تھا[۱۵]۔ ان کی اس روایت کے برخلاف قانون سازی کی گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[۱۶] (طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں)۔

اجتماعی وعوامی مصالح کے تخصیصی امور سے متعلق عوامی رائے

اجتماعی و عوامی مصالح سے متعلق ایسے غیر منصوص امور جو عام پبلک کی سمجھ سے بالاتر ہوں مثلاً بین الاقوامی

معاملات، دفاع، قضاء وغیرہ سے متعلق امور میں عوامی رائے کے برخلاف متخصصین کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان معاملات میں عام عوام ان کی پیروری کرنے کے پابند ہوں گے۔ اجتماعی وریاستی معاملات کے لیے شوری قائم کی جاتی ہے۔ ایسے معاملات میں شوری کی رائے عوامی رائے سمجھی جائے گی (١٧)۔ عوامی رائے کا متخصصین / شوری کی رائے کے اتباع کے لیے قرآنی اصول یہ بتایا گیا ہے﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾[١٨] (جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں)۔ یہ آیت شوری کے بارے میں ظاہر و باہر ہے کہ ایک ہی قسم کی شوری کی رائے پر تمام فیصلے / قانون سازی نہیں کی جائے گی بلکہ جو جس میدان میں ماہر ہوں گے وہ اس موضوع پر اہل شوری شمار ہوں گے اور ان کی رائے کی بنیاد پر قانون سازی یا قانون میں ردوبدل کیا جائے گا اور عوامی مصالح کے تحت اسی کو عوامی رائے سمجھا جائے گا۔آیت قرآنی ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[١٩] (پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) اس آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

اس اصول کی پریکٹس ہمیں نبوی معاشرے میں بکثرت ملتی ہے۔ مثلاً:

١۔ غزوہ بدر میں مسلمان لشکر کو جب ایک مقام پر پڑاو کا حکم ہوا تو صحابی رسول حضرت حباب بن منذر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ جگہ اللہ کی طرف متعین کردہ ہے یا اس میں رائے کی گنجائش ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ متعین نہیں بلکہ اس بارے میں رائے دی جاسکتی ہے۔ اس پر انہوں نے جگہ تبدیل کرنے کی رائے دی اور ایسی جگہ کی نشاندہی کی جو پانی کے قریب اور جنگی لحاظ سے اہم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس ماہرانہ رائے کو قبول فرمایا اور لشکر کی جگہ تبدیل کرنے کا حکم فرمایا۔[٢٠]

٢۔ غزوہ خندق میں حضرت سلمان فارسی کی رائے سے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ عام لوگ اس تکنیک سے واقف نہ تھے۔[٢١]

٣۔ غزوہ تبوک میں ایک موقع پر جب توشہ ختم ہوگیا اور صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ اگر لوگوں نے یوں ہی کیا تو سوارں یا کم ہو جائیں گی، آپ ان سے ان کا بچا ہوا توشہ منگوائیں اور پھر ان کے لیے اس میں برکت کی دعا کریں، ہو سکتا ہے اللہ تعالی اس میں خیر وبرکت ڈال دیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے کو قبول کرتے ہوئے لوگوں سے اجازت واپس کی کہ سواریاں کم نہ پڑ جائیں[٢٢]۔

سماجی اور مذہبی پریکٹس میں عوامی رائے کی اہمیت

سماجی پریکٹس

اسلام کا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ انسانی فطرت وجبلت کے عناصر کو فنا کر دیا جائے اور ان کی روایت کو دفن کر کے اس کی جگہ کوئی نئی شے نافذ کر دے۔اس لیے قانون سازی میں جب تک کوئی قطعی حلال حرام نہ ہو اور قطعی حلال، حرام نہ ہو رہا ہو اس وقت تک سماجی اور مذہبی مسائل میں عوامی رائے کے برخلاف کوئی ایسی قانون سازی کرنا جس سے ان کے لیے حرج پیدا ہو یا مشکلات بڑھیں یا ان کی آسانی/آزادی میں رخنہ پیدا ہو جائز نہیں۔حکومتوں کی طرف سے سماجی پریکٹس میں قانونی مداخلت سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔بقول شاہ ولی اللہ عوام کی طبیعت اور مزاج سے ہم آہنگ نہ ہونے والی قانون سازی معاشرتی فسادات، نقصان دہ واقعات اور ناکامیِٔ حکومت کا سبب ہوتی ہے۔

نبوی معاشرہ میں اس کی کئی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔مثلاً:

۱۔ قبیلہ غطفان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی کھجور کے عوض صلح کرنے پر راضی ہوگئے اور بعض روایات کے مطابق اپنی طرف سے تحریر بھی لکھوالی لیکن پھر حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کی رائے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو ترک کر دیا[۲۳]۔

مذہبی پریکٹس

مذہبی معاملات میں توسع اور گنجائش کو عوامی مصالح کے بغیر محدود کرنا بھی درست نہیں۔مثلاً نمازوں کے اوقات میں شریعت نے توسع رکھا ہے اس کو ختم کر کے ایک ہی وقت کا قانون دینا، اسی طرح دیگر مذہبی معاملات میں کسی بھی گنجائش کو کسی ایک فقہ کے تحت محدود کرنا وغیرہ بھی مناسب نہیں۔تاہم ایسے معاملات میں عوامی کثرت رائے سے قانون میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔اس کے بہت سے نظائر نبوی معاشرے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔مثلاً:

۲۔ غزوہ ہوازن کے قیدی لوگوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد ان کی رائے اور مرضی سے واپس کئے گئے اور جو لوگ قیدی چھوڑنے پر خوش نہیں تھے انہیں عوض دے کر قیدی چھڑوائے گئے[۲۴]۔

۳۔ خانہ کعبہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش لیکن عوام کی رائے کا خیال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرانی تعمیر کو باقی رکھنا اور حضرت عائشہ سے فرمانا کہ اگر تیری قوم نئی نئی جاہلیت سے باہر نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر دوبارہ تعمیر کرتا، اس کا دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا اور حطیم کو اس کے اندر داخل کرتا[۲۵]۔

۴۔ غزوہ بدر کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ قریش مکہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قریش کے ارادہ جنگ سے آگاہ کیا۔ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت عمدہ بات کی، پھر عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی بہت عمدہ بات کی، پھر مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں

،آپ اپنے ارادے کو پورا کریں ، ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسی علیہ السلام سے کہی کہ تو اور تیرا رب جاکر قتال کرو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے مشورے سے پیش قدمی کی(۲۶)۔

۵۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑنے کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے رائے لی۔ صحابہ کی رائے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا(۲۷)۔

۶۔ غزوہ احد میں آپ ﷺ نے اس بارے میں مشورہ کیا کہ مدینہ شریف کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے یا شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ صحابہ کرام کی رائے باہر نکل کر مقابلہ کرنی کی تھی اور اسی کو آپ ﷺ نے قبول فرمایا(۲۸)۔

مذکورہ بالا بحث اس موضوع پر ایک ابتدائی واشاراتی بحث تھی جو کہ اس موضوع پر مزید بحث و تحقیق کی راہیں کھولنے کے لیے کی گئی۔ امید ہے کہ اہل علم اس اہم موضوع پر مزید سوچ و بچار کر کے اپنی تحقیقات کو سامنے لائیں گے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ سورۃالتوبۃ۹: ۱۰۵

۲ ابن عساکر، علی بن حسن، ابوالقاسم، معجم الشیوخ، دمشق: دار البشائر، طبع اولی ۱۴۲۱ھ، رقم الحدیث: ۶۲۱، ج۱، ص ۵۰۷۔

۳ مالک بن انس۔الموطا بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی۔مکتبہ علمیہ، ص: ۹۱۔

۴ ثعلبی، احمد بن محمد، تفسیر الثعلبی، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اولی ۱۴۲۲ھ۔ج۸، ۴۹۔

۵ یحی بن سلام، تفسیر یحییٰ بن سلام، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج۲، ص ۲۲۷۔

۶ سورۃالأحزاب ۳۳: ۳۷

۷ محمد بن حبیب، بغدادی، المحبر، بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ۔ص ۳۲۴۔

8 {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} سورۃالنساء ۴: ۱۱

۹ المحبر، ص: ۳۲۷۔

۱۰ دیکھیے۔سورۃالنساء ۴: ۲۳

۱۱ المحبر، ص: ۳۲۵

۱۲ سورۃالنساء ۴: ۲۲

۱۳ المحبر، ص: ۳۴۰

۱۴ سورۃ النور ۲۴: ۳۳

۱۵ المحبر، ص: ۳۳۸

۱۶ سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲۸

۱۷ تاہم اہل شوریٰ میں امانت، دیانت اور دیگر ضروری اہلیت کا موجود ہونا ضروری ہے۔

۱۸ سورۃ النساء ۴: ۸۳

۱۹ سورۃ النحل ۱۶: ۴۳

۲۰ ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی مصر۔ ج ۱، ۶۲۰۔

۲۱ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۴۔

۲۲ ابو نعیم اصبہانی، احمد بن عبد اللہ۔ دلائل النبوۃ۔ بیروت: دار النفائس۔ ص: ۴۱۹۔

۲۳ سیرۃ ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۲۲۳۔

۲۴ الروض الانف ج ۷، ص ۳۵۰۔

۲۵ الروض۔ ج ۲، ص ۱۷۲۔

۲۶ دیکھیے۔ الروض الانف۔ ج ۵، ص ۱۷،۲۷۔

۲۷ ابن سید الناس، محمد بن محمد یعمری۔ عیون الاثر۔ بیروت: دار القلم۔ ج ۱، ص ۳۳۳۔

۲۸ السنن الکبریٰ للبیہقی كِتَابُ قَسْمِ الصَّدَقَاتِ، بَابٌ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَنْزِعَهَا حَتَّى يَلْقَى الْعَدُوَّ وَلَوْ بِنَفْسِهِ، رقم الحدیث: ۱۳۲۸۲۔